البدایہ والنہایہ کی روشنی میں حجۃ الوداع سے فقہی احکام و اسباق کا استنباط
***The Derivation of Lessons and Juridical Instructions
 from the Farwell Sermon of the Holy Prophet as
 Illustrated in Al-Bidaya wal- Nihaya***

Muhammad Waqas

Ph.D Research Scholar, Department of Islamic & Religious Studies,
 University of Hazara, Mansehra, Pakistan
 Email: waqasm@gmail.com

Dr. Hafiz Nasir Uddin

Associate Professor, Department of Islamic & Religious Studies,
 University of Hazara, Mansehra, Pakistan
 Email: hafiznasir@uoh.edu.pk

Abstract:

The Seera'h of the Holy Prophet Muhammad (SAW) is considered to be a complete code of life. Right from the outset the Muslim scholars deeply pondered over the life history of the holy prophet (SAW) in order to infer juridical instructions which they called Fiqh al Seera'h. For instance, Ibn e Kathir, a prominent scholar of the eight century describes different events in the life of the Holy prophet in his book "Al-Bidaya wa Nihaya'h" highlights solutions to different issues through the lessons learnt from the farewell sermon of the holy prophet (SAW) during his last pilgrimage. The farewell sermon of the Holy prophet (SAW) is a guiding principle for the whole humanity if acted upon even today. This study elaborates on the juridical instructions as received from this Farwell speech of the holy prophet (SAW)

Keywords: Pilgrimage, Fiqh-e-Seera'h, Al-Bidayah, Ibn e Kathir

تعارف موضوع: Introduction

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے قدسی نفوس کو مبعوث فرمایا۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی سید الانبیاء فخر رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ آپ کی تمام تعلیمات قرآن و سنت پر مشتمل ہیں اور ان کی مزید عملی تفصیلات سیرت کی شکل میں محفوظ ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں فقہاء امت نے آپ کی سیرت طیبہ کو اس خوبی کے ساتھ جمع کیا کہ دور جدید کا ہر انسان لمحہ بہ لمحہ حالات نبوت کی اس حفاظت پر انگشت بدنداں ہے۔

دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، اس کے ہر پہلو کے لیے سیرت نبوی میں رہنمائی موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت سے پہلے ہر اس انسان کے لیے بے شمار نمونے چھوڑے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہو، خواہ وہ دعوت و تربیت کا میدان ہو یا تعلیم و ثقافت کا، جہادی امور ہوں یا زندگی کے کسی شعبے سے بھی تعلق رکھنے والے معاملات ہوں، ان تمام کا حل ہمیں سیرت طیبہ کے مطالعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

سیرت نگاری کے مختلف اسالیب میں ایک اسلوب وہ ہے، جس میں واقعات سیرت کا احاطہ تو کیا ہی جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ واقعات سیرت پر تدر کر کے بعد جو اہم نکات، دروس اور احکام و مسائل معلوم ہوتے ہیں، سیرت نگاری کے اس منفرد اسلوب میں انہی دروس اور مسائل کو بھی مناسب جگہ دی جاتی ہے۔ اصطلاح میں کتاب سیرت کے ایسے طرز نگارش کو فقہ السیرۃ کہا جاتا ہے۔

”فقہ السیرۃ“ کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ سیرت کے واقعات کو مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا جائے، یا محض سیرت کے واقعات کی تاریخی تفصیلات میں بحث و تمحیص کی جائے۔ بلکہ ”فقہ السیرۃ“ کا حقیقی مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ واقعات سیرت میں جو سبق پنہاں ہے، اس کو نمایاں کیا جائے۔ جو بصیرتیں، حکمتیں، فوائد، اور دروس و اسباق سیرت پاک کے واقعات میں پوشیدہ ہیں ان کو سامنے لا کر واضح کیا جائے۔ اسی کوشش اور جدوجہد کا نام ”فقہ السیرۃ“ ہے۔

”فقہ السیرۃ“ کا لفظ دراصل مرکب ہے لفظ ”فقہ“ اور لفظ ”سیرۃ“ سے اور فقہ شریعت میں احکام عملیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔ اور لغت میں لفظ ”فقہ“ کا معنی ہے فہم، دانش اور سمجھ بوجھ کا ہے۔ اب اصطلاح ”فقہ السیرۃ“ میں سیرۃ کے ساتھ جو فقہ کا لفظ استعمال ہوا ہے عام طور پر اہل سیر نے اس فقہ سے فقہ لغوی کا معنی مراد لیا ہے (گہری سمجھ بوجھ کا) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں سے حاصل ہونے والی سمجھ کے مطابق ان واقعات سے دروس، نکات، مسائل اور جزئیات کا استخراج اور استنباط کرنا۔ اگر ہم اس فقہ سے فقہ شرعی مراد لیتے تو سیرت کا لفظ صرف علم فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل کے ساتھ خاص ہو جاتا باقی علوم مثلاً علم حدیث، عقائد، تاریخ، کلام اور تفسیر کے مسائل پھر سیرت طیبہ کی بحث سے خارج ہو جاتے اس لیے علماء نے فقہ سے فقہ لغوی مراد لی، تاکہ سیرت طیبہ ہر علم سے تعلق رکھنے والے مسائل کو شامل ہو جائے۔ جہاں تک ”فقہ السیرۃ“ کی اصطلاح کا تعلق ہے تو ہر سیرت نگار نے اس کی توضیح اپنے اسلوب سے کی ہے اور ”فقہ السیرۃ“ محض سیرت کے واقعات کو پڑھ کر ان سے نتائج اور مسائل کا استنباط کرنے کا نام نہیں بلکہ ”فقہ السیرۃ“ کا تعلق دراصل ہر اس پہلو سے ہے جو سیرت کے اندر شامل ہے چاہے وہ پہلو روایات کی تحقیق و تنقیح اور ان کی استنادی حیثیت سے واقفیت کا ہو، واقعات سیرت کے پس منظر معلوم کرنے

کا ہو، واقعات سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کا ہو، واقعات سیرت میں نظر آنے والے تعارض اور اس میں تطبیق کا پہلو ہو، مستشرقین اور ملحدین کے اعتراضات کے جوابات کی شکل میں ہو، واقعات کے حاصل شدہ نکات و نتائج کی صورت میں ہو یا وہ واقعہ سیرت کو بنیادی اور صحیح ترین ماخذ سے اس کی مکمل تفصیل اور جزئیات سمیت معلوم کرنے کا ہو یہ تمام پہلو ”فقہ السیرۃ“ کا حصہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ”فقہ السیرۃ“ دراصل فہم السیرۃ ہے اب سیرت کا فہم جہاں سے بھی حاصل ہو اس پر ”فقہ السیرۃ“ کا اطلاق کرنا درست ہوگا، اس لیے اس مفہوم کو کسی ایک خاص تشریح اور توضیح میں بند کرنا مناسب نہیں۔

ابن کثیرؒ کی تصنیف ”البدایہ والنہایہ“ میں حصہ سیرت کے اندر یہ کوشش رہی ہے کہ روایات کا محاکمہ اور موازنہ ہو جو بالکل بے بنیاد روایات ہیں ان کو سرے سے نظر انداز کیا جائے، جو ذرا کمزور روایات ہیں ان کو الگ الگ بیان کیا جائے، جہاں کسی راوی سے کوئی غلطی ہوئی ہے اس کی نشاندہی کریں۔ جن لوگوں نے اسرائیلیات قبول کی تھیں ان کے بارے میں انہوں نے قطعی فیصلہ کیا کہ اپنی کتاب سے اسرائیلیات کو بالکل صاف رکھیں گے۔ ابن کثیرؒ نے جب ”البدایہ والنہایہ“ کی تصنیف مرتب کرنا شروع کی تو اس دور میں آپ کے سامنے پہلے کے سارے ماخذ و مصادر موجود تھے آپ نے اس کتاب میں حصہ سیرت کے اندر سیرت سے متعلق وہ روایات جمع کیں جن کو آپ نے قابل قبول اور مستند سمجھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل یعنی عادات و خصائل کو الگ آخر میں بیان کیا۔ علامہ ابن کثیرؒ چونکہ خود بڑے محدث تھے اس لئے جہاں حدیث کے نقطہ نظر سے کوئی چیز قابل غور آئی تو اس پر توجہ بھی دلائی، اس کے علاوہ آپ ایک بڑے فقیہ بھی تھے اس لئے آپ کی کتاب میں فقہیات سیرت پر بہت سا مواد موجود ہے اور ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ کی تصنیف ”البدایہ والنہایہ“ کے اندر حصہ سیرت میں متعدد ایسے مقامات ہیں جن میں آپ نے ایسے احکام و دروس کا استخراج کیا ہے جو آپ کی تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرت میں مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ذیل میں ہم آپ کی تصنیف سے دو واقعات سیرت (حجۃ الوداع) کے متعلق جن فقہیات اور مسائل کا استنباط کیا ہے وہ پیش کرتے ہیں۔

حجۃ الوداع:

حجۃ الوداع کو حجۃ الوداع اس لئے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں امت کو الوداع کہا اور اس کے بعد کوئی حج نہیں کیا۔ اس کو حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت قولاً اور عملاً پہنچادی اور اس کی بشارت کے لیے یہ ارشاد الہی اتر:

”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

الْإِسْلَامَ دِينًا“^۲

(ترجمہ): آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ ہجری بروز جمعرات ظہر کی نماز مدینہ میں ادا فرمائی۔ ابھی ماہ ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے۔ پھر آپ اپنے ساتھ روانہ ہونے والے مسلمانوں کو لے کر نکلے۔ ان میں اہل مدینہ اور اطراف مدینہ سے آنے والے دیہاتی بھی شامل تھے۔ آپ نے عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں بطور قصر پڑھی اور رات وہیں قیام فرمایا۔ ذوالحلیفہ اہل مدینہ اور شام سے آنے والوں کا میقات ہے۔ ابھی وادی عقیق میں ہی آپ تشریف فرما تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات کے وقت فرشتہ آیا اور آپ کو پیغام دیا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آپ تبلیہ میں اس طرح کہیں "حجۃ فی عمرہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج و عمرے کو ملا کر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے تمام لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ آپ اپنی ازواج کے ہاں تشریف لے گئے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی سے فراغت پر ایک ہی غسل فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کی تعداد نو تھی۔ پھر آپ نے غسل فرما کر مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور حج و عمرے کا اکٹھا احرام باندھا۔^۳

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اقسام حج میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرآن ہی افضل ہے اور ایک قول امام احمدؒ کا بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے اور محققین شوافع کی ایک جماعت نے اسی کو دلائل سے موید کیا ہے۔ اور یہی وہ طریق ہے کہ جس سے تمام احادیث کو جمع کرنا آسان ہو جائے گا۔ علماء نے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے۔^۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ سے ہی ہدی کو اپنے آگے چلایا اور ان تمام لوگوں کو حکم فرمایا جن کے پاس ہدایا موجود تھے کہ وہ اسی طرح تبلیہ کہہ کر احرام باندھیں جس طرح میں نے باندھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو آگے پیچھے، دائیں بائیں ٹھاٹھیں مارتا ہجوم تھا جن کی تعداد حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہر ایک ان میں سے اس لئے آیا تھا کہ آپ کی اقتداء کرے۔

جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پہنچ گئے تو سب سے پہلے طواف قدوم کیا پھر صفاء و مروہ کے درمیان سعی کی اور ان لوگوں کو حکم فرمایا جو اپنے ساتھ ہدی کے جانور نہ لائے تھے۔ کہ وہ اپنے عمرے سے فارغ ہو جائیں اور احرام کھول دیں۔ پھر جب آٹھویں تاریخ کو منی کی طرف روانہ ہوں تو احرام باندھیں۔ ان لوگوں کو جب یہ اطلاع ملی تو پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو چاہتے تھے کہ آپ جس طرح کریں ہم بھی اسی طرح کریں۔ مگر افسوس ہم اس کو نہ پاسکے۔ ان کی پریشانی کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: اگر مجھے اس تمہاری پیشمانی کا پہلے علم ہوتا تو میں بھی ہدی ساتھ نہ لیتا اور عمرہ کر کے حلال ہو جاتا۔ اس سے یہ بات تو واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ آپ قطعاً متمتع نہیں تھے۔ جیسا کہ امام احمد کے بعض احباب نے گمان کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے کیسا احرام باندھا؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں نے اس طرح احرام باندھا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔ اس پر آپ نے فرمایا میں نے ہدایا کو ساتھ چلایا اور قرآن کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے ہدایا لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدایا میں ان کو شریک کر لیا۔ کل ہدایا کی تعداد سو اونٹ تھی۔ ان ہدایا میں سے تریسٹھ کو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ذبح کیا اور باقی ہدایا علی جو کل ہدایا کا ثلث تھے اور یمن سے لائے گئے تھے، آپ نے علیؑ کو ان کے ذبح کا حکم فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی طرف نکلے اور وہاں رات گزاری یہ نودی الحجہ جمعہ کی رات تھی۔ جب صبح طلوع ہوئی تو آپ عرفات کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے کیکر کے درخت کے نیچے ایک عظیم الشان خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ کے اصحابہ میں سے چالیس ہزار افراد موجود تھے عرفات میں آپ نے ظہر و عصر کی نماز جمع کی پھر عرفات میں وقوف فرمایا۔ پھر مزدلفہ میں آپ نے رات گزاری۔ مغرب و عشاء کی نماز اس رات جمع فرمائی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز اول وقت میں ادا فرمائی۔

پھر سورج کے طلوع ہونے سے قبل ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور سب سے پہلے جمرہ عقبہ کی سعی کی۔ پھر قربانی کی اور سر کے بال منڈوائے۔ پھر مکہ کی طرف لوٹ کر بیت اللہ کا فرضی طواف ادا کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز سے حلال ہو گئے جو احرام سے حرام ہوئی تھی۔

پھر آپ نے یوم نحر کے دوسرے دن عظیم الشان خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے امت کو بہت ساری وصیتیں فرمائیں اور ان کو بہت سی باتوں سے خبردار فرمایا اور ان کے نفسوں پر خود ان کو ہی گواہ بنایا۔ کہ میں نے رسالت کو تم تک پہنچا دیا ان سب نے بیک زبان کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے رسالت پہنچادی اور امانت کو ادا کر دیا اور امت کی خیر خواہی فرمائی۔^۱

استحکام امت:

ہجری کو امت اسلامیہ ترقی و استحکام کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی تھی۔ لہذا یہ ترقی چند اہم امور کی مقتضی تھی۔ لہذا سفر حج اور وفود کے استقبال کی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ اور ۱۰ ہجری کو براہ راست حصول دین کا دائرہ وسیع تر کر دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اہتمام کیا کہ آپ کی دعوت آپ سے براہ راست لی جائے۔ اسلام کی سر بلندی اور اسے تاقیامت باقی رکھنے کا یہ موثر ترین ذریعہ تھا۔ اس طرح حجۃ الوداع میں افراد پورے معاشرے کی کتاب و سنت پر تربیت کا معاملہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔^۲

جاہلیت سے کنارہ کش رہنے اور گناہوں سے دور رہنے کی تربیت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے سامنے عہد جاہلیت کے امور مثلاً: بت پرستی، جاہلی خلفشار یا سود خوری وغیرہ سے اظہارِ تعلق کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا اور یہ کوئی زبانی دعویٰ اور محض وصیت نہیں تھی بلکہ ایک قرارداد تھی، جس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بعد میں آنے والوں کو بھی یہی پیغام دیا۔ اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے: خبردار زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے دونوں قدموں کے نیچے رکھ دی گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ زمانہ جاہلیت کا تمام سود ختم کر دیا گیا ہے۔^۸

کیونکہ نئی زندگی جس کے مطابق ایک مسلمان اسلام لانے کے بعد زندگی گزارے وہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کا ماضی کی نجاستوں اور میل کچیل سے کوئی تعلق نہ رہے۔

تربیت معاشرہ کی اساس:

اسلامی بھائی چارہ ہی ایک مضبوط رسی اور اساس ہے جو تمام مسلمانوں کو باہم منسلک رکھ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میری بات سنو اور اسے اچھی طرح سمجھو یہ خوب جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہذا کسی بھی شخص کے لیے اس کے بھائی سے صرف اسی قدر دینا حلال و جائز ہے جو وہ اپنے دل کی خوشی سے دے دے، لہذا اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کیا کرو۔

مزید ارشاد فرمایا:

"تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں آپس میں تم پر ایسے ہی محترم ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی، تمہارے اس شہر کی ہے اور یہ حرمتیں اس دن تک ہیں جب تک تم اپنے پروردگار سے جا ملو اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔"^۹

کمزور اور ناداروں کا خیال رکھنا تاکہ ان کی کمزور معاشرے کی عمارت میں رخنہ پیدا نہ ہو۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور افراد میں بطور نمونہ عورت اور غلام کا ذکر فرمایا اور ان کے متعلق خیر خواہی کی وصیت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بہتر سلوک کی وصیت کی اور انتہائی مختصر مگر جامع گفتگو میں زمانہ جاہلیت کے عورتوں پر ہونے والے بدترین مظالم کا خاتمہ کرنے کو کہا اور تاکیدِ احکامِ شریعت میں پائے جانے والے عورت کے حقوق و عزت و اکرام کا بار بار حکم دیا۔

اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے حکومت اسلامیہ سے تعاون اور شریعت الہی کی پاسداری کا حکم دیا، خواہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس میں دنیا و آخرت کی فلاح و سعادت پنہاں ہے۔

آپ نے وضاحت فرمائی کہ حاکم اور محکوم کا باہمی تعلق سب و طاعت کا ہے جب تک حاکم کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرتا رہے، جب ان دونوں سے پھر جائے تو اس کی سب و طاعت نہیں ہے، گویا حاکم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تنفیذ و اجرا کے لیے مسلمانوں کی طرف سے ایک امین کی حیثیت رکھتا ہے۔

مساوات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِلْأَحْمَرِ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ"۔^{۱۰}

(ترجمہ): کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر ہے اور نہ

کسی سفید کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو سفید پر برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کی

بدولت۔ تمام لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کر دی کہ برتری کی بنیاد جنس، رنگ، وطن اور قومیت پر نہیں

ہے۔ برتری فضیلت کی بنیاد صرف بلند تر اخلاقی وصف ہے جو انسان کو انتہائی بلند تر مقامات تک لے جاتے ہیں۔

شریعت کے بنیادی مآخذ کی حد بندی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شریعت پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا۔ تمام مشکلات کا حل صرف

کتاب و سنت کی طرف رجوع میں پنہاں ہے، اس کے ساتھ کوئی تیسری چیز نہیں ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لینے کی صورت میں ہر گمراہی اور شقاوت سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے تھامے رکھنے کا حکم دیا اور اسی پر ثابت قدم رہنے پر آنے والی نسلوں

کی ہدایت کی ضمانت دی ہے، آپ نے یہ واضح فرمادیا کہ ان دونوں دلیلوں کو تھام لینے کی ضرورت کسی ایک زمانے پر

موقوف نہیں اور کسی بھی معاشرتی ترقی یا کسی زمانے کا عرف ان دونوں پر برتری اور غلبے کا حق نہیں رکھتا۔"

عملی تعلیم دینے کا درس:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معزز ساتھیوں کو اعمال حج عملی صورت میں سکھائے، وہ اس طرح

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی طور پر سکھانے پر اکتفاء کرنے کی بجائے عملاً خود کر کے دکھایا، اس لیے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خذوا عني مناسككم" "اپنے اعمال حج مجھ سے لے لو۔"

لہذا داعی حضرات جب لوگوں کو مفہیم اسلام سکھاتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ یہ تمام اعمال اور احکام شریعہ

یا کم از کم ان میں سے کچھ ہی، مثلاً: وضوء، نماز اور قرآن پاک کی تعلیم بہتر طریقے سے عملی طور پر سکھائیں۔^{۱۱}

دوران تقریر حاضرین کو بیدار رکھنے اور ان کی توجہ کو قائم رکھنے کا طریقہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین سے اس دن، مہینے اور شہر کی بابت پوچھا، حالانکہ وہ انہیں جانتے تھے۔ دراصل اس انداز سے سامعین کو بیدار ہونے کا کہا جا رہا تھا کہ وہ ہونے والی بات کی طرف پھر پور توجہ کریں کہ ممکن ہے آپ کا ان سوالات سے ارادہ کچھ اور ہو۔
امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دن، ماہ اور شہر کے متعلق سوال کرنا اور پھر ہر سوال کے بعد خاموشی اختیار کرنا ان کی حاضر دماغی کے لیے تھا اور اس لیے بھی کہ وہ اس بات کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوں اور جو بات ان سے کہی جانے والی ہے اس کی عظمت کا خیال رکھیں۔ لہذا علماء و داعیان دین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی کہی جانے والی گفتگو سے پہلے ایسی صورت حال پیدا کریں جو سامعین کی بیداری کا موجب بنے اور انہیں متکلم کے کلام کی جانب بھر پور راغب کرے۔" ۱۳

جنایت کرنے والے کا حرم میں پناہ لینے کا حکم:

اگر کوئی شخص جنایت کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی جنایت قتل کے علاوہ ہے تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے۔ ۱۴

اور اگر جنایت قتل کی ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے جنایت کس جگہ کی ہے؟ اگر جنایت حرم میں کی ہے تو بھی اتفاق ہے کہ اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جاسکتا ہے۔ اور اگر حرم سے باہر کی ہے تو امام شافعی اور امام مالک اس کے بارے میں بھی جواز قتل کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: "إِنَّ الْحَرَّمَ لَا يُعِيدُ عَاصِيًّا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ"۔ ۱۵ یعنی حرم مکہ کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ کسی کا خون کر کے بھاگنے والے کو اور نہ چوری کر کے بھاگنے والے کو پناہ دیتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ترمذی کی حدیث سے اس مسلک کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَدَا مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَأَبْصَرْتُهُ عَيْنَايَ، حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ أَنَّهُ: حَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، وَلَا يَحِلُّ لِمُرِيٍّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ فِيهَا دَمًا، أَوْ يَعْصِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ

تَرَحَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللَّهَ أَذِنَ
لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكَ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهِ سَاعَةً مِنْ
النَّهَارِ، وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
الْعَائِبَ".^{۱۷}

(ترجمہ): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا، میرے
کانوں نے اسے سنا، میرے دل نے اسے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے آپ کو دیکھا،
جب آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: ”مکہ (میں
جنگ و جدال کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے۔ لوگوں نے حرام نہیں کیا ہے، لہذا کسی
شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ اس میں
خون بہائے، یا اس کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے قتال کو دلیل بنا کر (قتال کا) جواز نکالے تو اس سے کہو: اللہ نے اپنے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت دی تھی، تمہیں نہیں دی ہے۔ تو مجھے
بھی دن کے کچھ وقت کے لیے آج اجازت تھی، آج اس کی حرمت ویسے ہی لوٹ آئی
ہے جیسے کل تھی۔ جو لوگ موجود ہیں وہ یہ بات ان لوگوں کو پہنچا دیں جو موجود
نہیں ہیں۔

امام شافعی اور امام مالکؒ نے جو روایت پیش کی ہے وہ درحقیقت کوئی حدیث نہیں بلکہ عمرو بن سعید کا قول
ہے جو ایک تابعی تھے۔^{۱۸}

حجۃ الوداع سے مستحب فقہی احکام:

عرفہ کے دن حاجیوں کے لیے روزہ رکھنا مسنون نہیں:

ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ کا بیان ہے کہ یوم عرفہ کے متعلق لوگوں نے شک کیا کہ کیا آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دودھ کا برتن بھیجا، آپ اس
وقت موقف (میدان عرفات) میں کھڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اس دوران تمام لوگ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے تھے۔^{۱۹}

حالت احرام میں کوئی فوت ہو جائے تو اس کے کفن دفن کا طریقہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا
کہ اپنی اونٹنی پر سے گر پڑا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:
 "اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفَّوْهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُحْنَطُوهُ، وَلَا تُحَمِّرُوا رَأْسَهُ،
 فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبَّيًّا".^{۲۰}

(ترجمہ): اس کو پانی اور پیری کے پتوں سے غسل دو اور اسے دو کپڑوں میں کفن
 دے دو۔ اس کے سر کو نہ ڈھانپو اور نہ ہی خوشبو لگاؤ، یہ قیامت کے روز لبیک کہتے
 ہوئے اٹھایا جائے گا۔

کسی اور کی طرف سے حج:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس اوٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے
 سوار تھے۔ اس وقت قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی۔ وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی اور فضل اس کی طرف دیکھنے لگے
 ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیرنے لگے۔ اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے
 رسول! اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے میرے باپ پر بھی اس وقت فرض ہوا ہے۔ مگر وہ بوڑھے
 ہیں اور سواری پر سوار بھی نہیں ہو سکتے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم
 ! جی ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا۔

حج میں آسانی پیدا کرنا:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر کھڑے ہوئے
 تو لوگ آپ سے مسائل پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے علم ہی نہ تھا کہ رمی قربانی سے پہلے
 ہے مگر میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ارم ولا حرج" اب رمی کرو
 کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ دوسرے نے عرض کیا: مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ قربانی حلق سے پہلے کرنا ضروری ہے۔ لہذا میں
 نے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انحر ولا حرج" اب قربانی کر لو، کوئی
 مضائقہ نہیں۔ راوی کہتا ہے: میں نے سنا کہ جس شخص نے بھی اس دن ایسے کام سے متعلق پوچھا جسے انسان بھول کر
 آگے پیچھے کر لیتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا: "افعل ولا حرج" اب کر لو، کوئی مضائقہ نہیں۔^{۲۲}

حج کے مختلف دنوں کے مختلف نام رکھنے کا فائدہ:

سات ذوالحجہ کو "یوم الزینۃ" کہتے ہیں کیونکہ اس دن قربانی کیے جانے والے جانوروں کو سجایا جاتا
 تھا۔ آٹھ ذوالحجہ کو "یوم الترویۃ" کہتے ہیں کیونکہ اس دن وہ لوگ اپنے اونٹوں کو خوب پانی پلا لیتے اور عرفات اور اس
 کے بعد کے دنوں کے لیے خود بھی پانی لے لیتے تھے۔ کیونکہ ان مقامات میں ان دنوں نہ کنویں تھے اور نہ چشمے۔ نویں
 ذوالحجہ کو "یوم عرفہ" اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن لوگ میدان عرفات میں ٹھہرے تھے۔

دسویں دن کو "یوم النحر، یوم الأضحیٰ" کہتے ہیں کیونکہ یہ قربانی کا دن ہوتا ہے۔
گیارہویں دن کو "یوم القر" اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس روز وہ ادھر ادھر آنے جانے سے رک جاتے
تھے۔ اسے "یوم الرؤوس" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس روز قربانیوں کی سریاں کھاتے تھے۔ اور یہی ایام تشریق کا پہلا دن
تھا۔

تشریق کے دوسرے دن کو "یوم النفر الأول" کہتے ہیں۔ کیونکہ جسے جلدی ہو اس کے لیے اس دن مکہ
مکرمہ کی جانب چلے آنا جائز ہوتا ہے۔ ایام تشریق کے تیسرے دن کو "یوم النفر الثانی" کہتے ہیں۔^۳
حاصل کلام:

خطبہ حجۃ الوداع کا تذکرہ ہوتے ہی عام طور پر ذہن میں یہ تصور گردش کرنے لگتا ہے کہ یہ خطبہ چند
بنیادی باتوں کے ساتھ انسانیت کا احترام اور اس کے حقوق کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ حالانکہ اس خطبہ کے
مقاصد اس سے بہت زیادہ وسیع ہیں جس میں اساسیات اسلام، اجتماعیات، دینیات، عبادات اور معاملات کی تعلیم
مختصر مگر جامع انداز میں دی گئی ہے۔

حجۃ الوداع میں نہ صرف انسانیت کے مقصد تخلیق کو واضح کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ
، حج کی ادائیگی کے مطالبہ کے ساتھ توحید کے اقرار کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں سماجی و معاشرتی احکام بھی
ملتے ہیں اور مسلمان کے لیے شب و روز گزارنے کا پیمانہ بھی متعین کیا گیا ہے۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز
کروائی گئی ہے تو معاملات کو بھی اس میں متعین کیا گیا ہے۔ اگر جنگ و جدال کا حکم ناگزیر صورت میں دیا گیا ہے تو
اس کے ساتھ مؤمن کی اچھی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ اس میں تعلیم و تعلم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور
تقویٰ کو شعار بنانے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ایک طرف اس کا تعلق ایام سابقہ سے ہے تو دوسری طرف عہد حاضر
کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی طرف بھی پیش گوئی کی گئی ہے۔ گویا کہ پورا
خطبہ سرایا ہدایت اور معلومات کا ایسا خزانہ ہے جو نہایت خوبی سے اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اب تک کے دو
تین ہزار سالہ دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلی مبارک شخصیت ہیں جو ساری انسانیت کے لیے وسیع
اور جامع پیغام لے کر آئے اور اس پیغام کو ایک تحریک کی شکل میں جاری کیا، اس پر مبنی ریاست قائم کی اور اسے
دنیا کی تمام اقوام تک پہنچانے کے لیے شہداء علی الناس کی جماعت قائم کر دی۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا یہ خطبہ امت کے لیے وصیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنا انفرادی محاسبہ کریں اور رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے بتلائے اور سکھائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے کی سعی کریں۔

حواشی وحوالہ جات

١. مقدمة البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)،
- عبد الواحد، ٧/١، دارالمعرفة للطباعة والنشر والتوزيع بيروت - لبنان، ١٣٩٥ هـ - ١٩٧٦
٢. سورة المائدة: ٣
٣. صحيح مسلم، مسلم بن حجاج القشيري، باب حجة الوداع: ٤٤٠٧- دار طوق النجاة، ١٤٢٢هـ / السيرة النبوية، أبو محمد عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري، ٣٣٠/٤- مكتبة المنار، اردن، ١٤٠٩هـ، ١٩٨٨هـ- / البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)، ٢٢٣/٥-
٤. الفصول في اختصار سيرة الرسول، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، ص: ١٧١، مؤسسة علوم القرآن، ١٢٠٢هـ-١٩٨١هـ-
٥. البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)، ٢٠٩/٥-
٦. البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، ١١٢/٥-
٧. الاساس في السنة، سعيد حوي، ١٠٥٢/٢، دار السلام-مصر، ١٣٠٩هـ-١٩٨٩هـ-
٨. البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، ١٠٣-١٠٢/٥-
٩. صحيح مسلم، مسلم بن حجاج القشيري، **بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**، حديث نمبر: ٢١٨-
١٠. مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، ٣١١/٣-
١١. البداية والنهاية، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، ١٠٩-١٠٨/٥-
١٢. صحيح مسلم، مسلم بن حجاج القشيري، **بَابُ اسْتِحْبَابِ رَمِي جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ زَاكِبًا، وَبَيَانِ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ»**، حديث نمبر: ١٢٩٧-
١٣. السيرة النبوية الصحيحة، د أكرم ضياء العمري، ٥٤٩/٢، مكتبة المعارف والحكم بالمدينة، ١٤١٢ هـ -
١٤. الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي)، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: ٦٤١هـ)، ٥١٨/٢-
١٥. مجمع بحار الانوار في غرائب التنزيل ولطائف الاخبار، جمال الدين محمد بن طاهر بن علي الصديقي الهندي (٩٨٦هـ)، ٣٦/٢، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، ١٣٨٧هـ-١٩٦٧هـ-
١٦. صحيح البخاري، محمد بن اسماعيل البخاري، باب لا يعضد شجر الحرم، حديث نمبر: ١٨٣٥-
١٧. سنن الترمذي، محمد بن عيسى بن سورة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: ٢٧٩ هـ)، باب ما جاء في حرمة مكة، ٨٠٩-
١٨. تقريب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، ٢/٢، دار الرشيد - سوريا، ١٢٠٦ - ١٩٨٦هـ-
١٩. صحيح البخاري، محمد بن اسماعيل البخاري، **بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ**، حديث نمبر: ١٩٨٩-
٢٠. صحيح مسلم، مسلم بن الحجاج، **بَابُ جَوَازِ اشْتِرَاطِ الْمُحْرِمِ التَّحَلُّلَ بِغُذْرِ الْمَرْضَى**، حديث نمبر: ١٣٣-

- ۱۲۰۸۔ / البداية والنهاية ، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كنير القرشي الدمشقي ، ۸۳/۵۔
- ۲۱۔ صحيح البخاري ، محمد بن اسماعيل البخاري، **بَابُ وُجُوبِ الْحَجِّ وَفَضْلِهِ**، حديث نمبر: ۱۵۱۳۔
- ۲۲۔ صحيح مسلم ، مسلم، **بَابُ اسْتِحْبَابِ طَوَافِ الْإِقَاضَةِ يَوْمَ النَّحْرِ**، حديث نمبر: ۱۳۰۸۔
- ۲۳۔ السيرة النبوية ، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كنير القرشي الدمشقي ، ۱۰۸/۳-۱۰۹۔ / حج کے ایام کے
- یہی فوائد علامہ ابو شہبہ نے بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے تفصیل کے لیے (السيرة النبوية ، أبو شہبہ، ۵۷۹/۲، دار القلم- دمشق، ۱۴۱-)

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (<http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/>).